قومیّت اور وطنیّت کی تحریک کا فروغ

اور

اس کا اسلامی حل

(۴)

جناب پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب

انسان کی حقیقت

قومیت اور وطنیت کے مسئلہ کا حل اسلام کے پاس ہے۔ یہ حل اس بات کے جاننے پر منحصر ہے کہ دنیا میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ اور انسانی زندگی کی اسکیم کیا ہے؟ سارا اختلاف اسی میں ہے۔ ساری برائیوں کی جڑ یہی اختلاف ہے۔ انسان کیا ہے؟ کیا مشین اپنا مقصد اور غرض وغایت بیان کرسکتی ہے؟ ہرگز نہیں؟ اس لیے انسان کی حقیقت اور انسان کا مقصد بیان کرنے کی تمام کوششیں اور کاوشیں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مارنے کے برابر ہے۔ قدیم فلسفی ہوں یا جدید ان کی ایسی ساری کوششیں غلط ہیں۔ حقیقت سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ مشین کی حقیقت کو مشین کا کاریگر بیان کرسکتا ہے۔ انسان کی حقیقت کو انسان کا خالق اللہ تعالیٰ بیان کرسکتا ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو بھیجا ہے۔

قرآن مجید بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ ساری مخلوقات میں انسان کو اشرف اور اعلیٰ مرتبہ دیا ہے۔ اس کو بہترین صلاحیتوں اور استعدادوں سے نوازا ہے۔ ہر قسم کی اشیاء اور وسائل اس کے دستِ تصرف میں دے دیئے ہیں۔ استعمال کی صلاحیت اور تسخیر کرنے کی قوت انسان کے اندر ودیعت کر دی

ہے۔ ان انعامات اور صلاحیتوں کی آزمائش مقصود ہے۔ انسان دنیا میں ایک امتحان گاہ میں ہے۔ حُسنِ کارکردگی میں اس کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ مرنے کے بعد آخرت، موجودہ زندگی کا تسلسل ہے۔ وہاں امتحان کا نتیجہ ظاہر کیا جائے گا۔ جس کے بعد مزید انعامات و اکرامات یا تادیب و عذاب۔ یہ طبعی خلافت ہے۔ اس میں کافر اور مومن، کالے اور گورے سب شریک ہیں۔ جو بھی کوئی انسان ہے وہ اللہ کا خلیفہ ہے۔ وہ اسباب و وسائل استعمال کر رہا ہے۔ وہ امتحان دے رہا ہے۔ خواہ اس کو شعور ہو یا نہ ہو۔

خلافت کی دوسری قسم شرعی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طبعی اور عقلی رہنمائی سے زائد انبیاء کرام کے ذریعہ نوعِ انسانی کو ہدایات بھیجیں۔ اعمالِ خیر اور اعمالِ شر کا فرق بتایا۔ پاکیزہ زندگی اور خراب زندگی کا فرق بتایا۔ کامیابی کے اعمال اور ناکامی کے اعمال بتائے۔ اب جو لوگ انبیاء کی تعلیمات پر ایمان لائے۔ نیک اور صالح زندگی اختیار کی۔ بُرائی اور بداعمالی سے اجتناب کیا۔ وہ آخرت میں کامیاب اور بامراد قرار دیے جائیں گے۔ اس لیے جو لوگ انبیاء کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں وہ سچے مومن اور سچے خلیفہ ہیں۔ انسان کسی نسل، کسی قوم کا ہو، کوئی بھی زبان بولتا ہو، انبیاء کی تعلیمات پر ایمان لاکر سچے مومنوں اور سچے خلفاء کے زمرہ میں شامل ہو سکتا ہے۔ خارج کی کوئی شے اہمیت نہیں رکھتی ہے داخل میں ایمان و اعمال کی اصل اہمیت ہے۔

زبان، نسل اور رنگ کے اختلافات کو اسلام بطور امرِ واقعہ کے تسلیم کرتا ہے اور ان کو بطور شناخت استعمال کرتا ہے۔

"اے انسانو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" (حجرات - ۱۳)

آخری حج کے موقع پر ہزاروں صحابہ کے مجمع میں آپؐ نے اعلان کیا۔

"نہ کسی عرب کو غیر عرب پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔ اور نہ کسی غیر عرب

کو عرب پر فوقیت حاصل ہے۔ نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر۔ ہاں! فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ اے انسانو! تمہارا رب ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔"

قوموں اور قبیلوں کا مقصد اسلام کے نزدیک صرف تعارف ہے، شناخت ہے۔ شناخت کے لیے ہم "لال گائے اور کالی گائے" کہتے ہیں، مگر گائے کی قدر و قیمت دودھ سے ہے۔ شناخت کے لیے ہم "لال کوٹھی اور گمٹی والا مکان" کہتے ہیں۔ مگر مکان کی قدر و قیمت اس کی مکانیت، موزونیت، آسائش، ساخت وغیرہ بہت سے امور سے ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کی قدر و قیمت اعمال سے ہے، پرہیزگاری سے ہے۔

اپنی قوم اور اپنے قبیلہ سے محبت کرنا بھی منع نہیں ہے۔ محبت کرنا فطری تقاضا ہے۔

"ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا عصبیت کیا چیز ہے؟ کیا آدمی کا اپنی قوم سے محبت کرنا عصبیت ہے؟ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نہیں، عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم میں اپنی قوم کا ساتھ دے۔" (ابن ماجہ)

جس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصبیت قرار دے رہے ہیں وہ وہ جذبہ ہے جس کے تحت ایک آدمی بول پڑتا ہے۔

"میری قوم حق پر ہو یا ناحق پر ہو (MY COUNTRY RIGHT OR WRONG)"۔ اس عصبیت کی جو ناحق کو بھی حق بنا دیتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے۔

"جس شخص نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
جس شخص نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
جس شخص نے عصبیت پر جنگ لڑی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

(ابن ماجہ)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جذبہ کی تعریف کی ہے جو ناحق سے جنگ پر ابھارے خواہ ناحق پر بھائی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معیاری اور مثالی دور میں صرف ایمان اور تقویٰ معیار تھے۔ اسی بنا پر حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ اور فارس کے سلمانؓ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب میں جگہ ملی۔ اور حقیقی چچا ابولہب ہاشمی قریشی ایمان نہ لانے کے سبب مردود قرار پایا۔ قرآن مجید میں اگر کسی مخالف کا نام لے کر مذمت کی گئی ہے تو وہ ابولہب ہے۔ اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ کلمہ کا رشتہ، اور نظریاتی رشتہ، خونی رشتہ سے افضل ہے۔ اس حقیقت کا عملی مظاہرہ اسلام کی پہلی جنگِ بدر میں ہوا۔ حضرت حذیفہؓ اپنے والد کے مقابلہ پر، حضرت ابوبکرؓ اپنے بیٹے کے مقابلہ پر اور حضرت عمرؓ اپنے ماموں زاد بھائی کے خلاف محاذ آرا ہو گئے۔ گرفتار شدگان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس، داماد عمرو بن عاص، چچا زاد بھائی عقیل بن ابی طالب مسجد میں ستونوں سے بندھے ہوئے تھے۔ نظریاتی رشتہ نے خونی رشتہ کو ختم کر دیا تھا۔

شریعتِ الٰہی اور قوم پرستی کا فرق

۱۔ وسیع تعاون | شریعتِ الٰہی کا مقصد ہمیشہ یہ رہا ہے کہ انسانوں کے درمیان اخلاقی اور روحانی رشتے قائم کر کے انہیں وسیع پیمانہ پر ایک دوسرے کا معاون بنائے، مگر نیشلزم نسلی اور وطنی امتیاز کی قینچی سے کر ان رشتوں کو کاٹ دیتا ہے اور قومی منافرت پیدا کر کے انسانوں کو ایک دوسرے کا معاون بنانے کے بجائے مزاحم اور دشمن بنا دیتا ہے۔

۲۔ آزادانہ تعلقات | شریعتِ الٰہی چاہتی ہے کہ انسان اور انسان کے درمیان آزادانہ ربط کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کیے جائیں کیونکہ ان ہی پر انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی کا انحصار ہے۔

مگر قوم پرستی ان روابط کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کرتی ہے یعنی کہ ایک قوم کے حلقۂ اثر میں دوسری قوم والوں کے لیے سانس لینا تک مشکل کر دیتی ہے۔ قوم پرستی کے

ماحول میں کوئی طارق ا الارض للّٰہ و الملک للّٰہ کا نعرہ نہیں لگا سکتا۔

۳۔ قابلیتوں کا نشو و نما | شریعتِ الٰہی کا منشا یہ ہے کہ ہر فرد، ہر قوم اور ہر نسل کو اپنی طبعی خصوصیات اور پیدائشی قابلیتوں کے نشو و نما کا پورا موقع ملے تاکہ وہ مجموعی حیثیت سے انسانیت کی ترقی میں اپنا حصہ ادا کر سکے۔

مگر قوم پرستی ہر قوم اور ہر نسل میں یہ داعیہ پیدا کرتی ہے کہ وہ طاقت حاصل کر کے دوسری قوموں اور نسلوں کو ادنیٰ، ذلیل اور بے قدر و قیمت قرار دے اور انہیں غلام بنا کر ان کی پیدائشی قابلیتوں کو کام کرنے کا موقع ہی نہ دے، بلکہ ان سے زندگی کا حق ہی سلب کر کے چھوڑے۔

۴۔ اخلاق کی اہمیت | شریعتِ الٰہی کا اساسی اصول یہ ہے کہ طاقت کے بجائے اخلاق پر انسانی حقوق کی بنیاد قائم ہو۔ حتیٰ کہ ایک طاقتور شخص یا گروہ بھی کمزور شخص یا گروہ کے حقوق ادا کرے جبکہ قانونِ اخلاق اس کی تائید میں ہو۔

مگر قوم پرستی اس کے مقابلہ میں یہ اصول قائم کرتی ہے کہ طاقت ہی حق ہے اور کمزور کا کوئی حق نہیں۔ اس لیے کہ وہ اسے حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

۵۔ جائز قوم پروری | شریعتِ الٰہی جس طرح اخلاقی حدود کے اندر نفس پروری کی مخالفت نہیں کرتی اسی طرح وہ قوم پروری کی بھی مخالفت نہیں کرتی ہے۔ درحقیقت وہ اس کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ ایک قوم کے اپنی اپنی جگہ ترقی کرنے ہی پر مجموعی حیثیت سے انسانیت کی ترقی کا دارومدار ہے۔ لیکن شریعتِ الٰہی ایسی قوم پروری چاہتی ہے جو انسانیتِ عامہ (HUMANITY AT LARGE) کی طرف ہمدردی معاونت اور خیرخواہی لیے ہوئے بڑھے اور وہ خدمت انجام دے جو سمندر کے لیے زمین کے دریا انجام دیتے ہیں۔

قوم پرستی اس کے برعکس انسان کے اندر یہ ذہنیت پیدا کرتی ہے کہ وہ اپنی تمام قوتیں اور قابلیتیں صرف اپنی قوم کی بڑائی کے لیے مخصوص کر لے۔ اور انسانیت کا نہ صرف یہ کہ مددگار نہ ہو، بلکہ اپنی قوم کے مقام پر انسانیت کے عمومی مفاد کی قربانی چڑھا دے۔ انفرادی زندگی میں جو حیثیت "خودغرضی" کی ہے، اجتماعی زندگی میں وہ حیثیت قوم پرستی

کی ہے۔ ایک قوم پرست فطرتاً تنگ دل ہوتا ہے۔ وہ دُنیا کی ساری خوبیاں صرف اپنی قوم یا اپنی نسل میں ہی دیکھتا ہے۔

۶۔ نبوتِ الہیٰ | قوم پرستی اور شریعت میں کھلا ہوا تصادم ایک اور صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے جو نبی بھی آئے گا۔ وہ ایک قوم میں اور ایک سرزمین میں آئے گا۔ اسی طرح جو کتاب اس نبی کو دی جائے گی وہ بھی لامحالہ اسی ملک کی زبان میں ہوگی جس میں وہ مبعوث ہوا ہے۔ پھر اس نبوت کے مشن سے تعلق رکھنے والے جن جن مقامات کو عزت و احترام اور تقدیس کی حیثیت حاصل ہوگی وہ بھی زیادہ تر اسی ملک میں واقع ہوں گے۔ مگر ان سب محدودیتوں کے باوجود وہ صداقت اور تعلیم ہدایت جو ایک نبی خدا کی طرف سے لے کر آتا ہے، کسی ملک اور قوم کے لیے محدود نہیں ہوتی، بلکہ تمام انسانوں کے لیے عام ہوتی ہے۔ پوری نوعِ انسانی کو اس نبی پر اور اس کی لائی ہوئی صداقت پر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے اور اگر نبی کی دعوت عامہ ہو، عالم گیر ہو، جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہے تو قدرتی بات ہے کہ اس کی لائی ہوئی کتاب کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہوگی۔ اس کی زبان کا تہذیبی اثر بین الاقوامی ہوگا۔ اس کے مقدس مقامات ایک ملک میں ہونے کے باوجود بین الاقوامی مرکزیت حاصل کریں گے۔ وہ نبی اور اس کے حواری اور اس دعوت میں نمایاں حصہ لینے والے ابتدائی لوگ بھی ایک قوم سے تعلق رکھنے کے باوجود تمام قوموں کے ہیرو قرار پائیں گے۔

لیکن یہ سب کچھ قوم پرستوں کے مذاق، افتادِ طبع، جذبات اور نظریات کے خلاف ہے۔ قوم پرست کی غیرتِ قومی اس کو کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ ایسے لوگوں کو ہیرو بنائے جو اس کی قوم کے نہیں ہیں۔ ایسے مقام کی مرکزیت اور تقدیس و احترام کو قبول کرے جو اس کے اپنے وطن کے نہیں ہیں۔ ایسی زبان کا تہذیبی اثر قبول کرے جو اس کی اپنی زبان نہیں ہے۔ ان روایات سے رُوحانی فیض (INSPIRATION) حاصل کرے جو باہر سے آئی ہوں۔ وہ ان سب چیزوں کو نہ صرف اجنبی قرار دے گا، بلکہ انہیں اس نفرت اور ناگواری کی نگاہ سے دیکھے گا جس سے بیرونی حملہ آوروں کی ہر چیز دیکھی جاتی ہے۔ اور تمام خارجی اثرات کو اپنی قوم کی زندگی سے نکال دینے کی کوشش کرے گا۔ (مسئلہ قومیت۔ ۱۳۸-۱۴۰)

اسلامی معاشرہ وحی الٰہی کی ہدایات کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جو معاشرہ اور ریاست قائم کی تھی وہ نرالا معاشرہ اور نرالی ریاست تھی۔ وہ معاشرہ ہم اقوام تھا۔ (MULTI - NATIONAL) وہ معاشرہ ہم نسل تھا۔ (MULTI RECIAL) اور وہ معاشرہ ہم لسان تھا (MULTI LEGUAL) وہاں انسان کی بحیثیت انسان قدر و قیمت تھی۔ رنگ و نسل و وطن کے عوارضات کی چنداں اہمیت نہیں تھی۔ سب باہم شیر و شکر تھے۔ اس معاشرہ میں جو امن و سکون، راحت و آرام اور آزادی حاصل تھی، شرق و غرب کے کسی معاشرہ میں میسر نہ آسکی۔ یہ معاشرہ انسانیت کے لیے نعمت تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت تھا۔ اس معاشرہ کی اہم خصوصیات یہ ہیں:

۱ — اسلام نے ہر شخص کے لیے عقیدہ اور مذہب کی آزادی کا حق تسلیم کیا۔ قرآن مجید نے واضح اعلان کیا ہے، "تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے"۔ ایسا کوئی اعلان کسی مذہبی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ یورپ میں آزادیٔ مذہب کا اعلان اس کے ایک ہزار سال بعد ہوا ہے۔ مغربی استعمار کے گھناؤنے پروپیگنڈے کے باوجود یہ بات آج تک ثابت نہیں کی جاسکی کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے زور پر ہوئی ہے۔ جب ساری دنیا میں مذہبی اقلیتوں کو ستایا جارہا تھا تو وہ اسلامی ممالک میں امن و چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہودی، عیسائی اور ہندو — مسلمان مزاج کے اعتبار سے فراخدل ہوتا ہے۔

۲ — اسلام نے ملت کے نظریہ کے تحت مختلف اقوام کے تہذیبی حقوق کو بھی فراخدلی کے ساتھ تسلیم کیا۔ اسلامی حکومتوں میں اقلیتوں کا مذہب، ان کی زبان اور ان کی ثقافت بھی محفوظ تھی۔ یہودی مذہب کے ربی اور حکماء وہ ہیں جو مسلمان حکومتوں میں گذرے ہیں ہندوستان میں بنگالی ادب اور دوسرے علاقائی ادب کی سرپرستی مسلمان حکمرانوں کی ہے۔ جدید دور کی قوم پرست حکومتوں کا تعلق مذہب سے تو کوئی خاص نہیں ہے، اس لیے مذہبی آزادی کا تو وہ برملا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن تہذیبی اور ثقافتی حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ سات سو سال تک جس ملک میں پنڈت اپنے شاستروں کے مطابق ہندوؤں کے فیصلے کرتے رہے اور مسلمان حکمران ان فیصلوں کو نافذ کرتے رہے۔ اس ملک میں مسلمانوں

کو شخصی قانون کا تحفظ بھی حاصل نہیں ہے۔ یہی حال دوسرے ملکوں کا ہے۔

۳۔ بنیادی انسانی حقوق میں اسلام مومن و کافر کے درمیان تمیز نہیں کرتا ہے، جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ تمام اقلیتوں کو بھی حاصل ہیں۔ ان کی جان، عزت، آبرو اور مال کی پوری طرح حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکومت پر ہے۔ تاریخ میں بے لاگ انصاف کے واقعات بھرے پڑے ہیں۔ شیر شاہ کا بیٹا ہاتھی پر سوار جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک ہندو عورت معمولی پردے کی اوٹ میں نہا رہی تھی۔ شاہزادے نے اس پر پان کا بیڑا پھینک دیا۔ ہندو نے دربار میں آکر بادشاہ سے شکایت کی۔ شیر شاہ نے فیصلہ کیا کہ شہزادے کی بیوی بھی اسی طرح نہائے، وہاں سے وہ ہندو ہاتھی پہ گذرے اور پان کا بیڑا اس پر پھینکے تاکہ شہزادے کو اس ذہنی اذیت کا اندازہ ہو سکے۔ یہ بے لاگ عدل ہے۔ اس طرح غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کی جاتی تھی۔

۴۔ معاملات کا فیصلہ بے لاگ، عدل و انصاف کے ساتھ کرنے کا اسلام لوگوں کو حکم دیتا ہے۔ اس معاملہ میں وہ ہر قسم کی جانب داری سے منع کرتا ہے۔

> "اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی کے زیادہ قریب ہے۔"
> (مائدہ ۔ ۸)

اسلامی ریاست کے اس بیان کو سن کر بعض لوگ یہاں ایک چلتا ہوا جملہ کہہ دیتے ہیں۔ جناب، یہ ایک مختصر سا دور تھا جو گزر گیا۔ اب اس کا ذکر کرنے سے کیا فائدہ۔ میں ایسے تمام لوگوں سے دریافت کرتا ہوں کہ معیاری جمہوری نظام کس ملک میں قائم ہوا؟ کس دور میں قائم ہوا؟ پھر آپ جمہوریت کا کیوں ذکر کرتے ہیں۔ میں ایسے تمام لوگوں سے دریافت کرتا ہوں کہ معیاری اشتراکی نظام کس ملک میں قائم ہوا ۔۔۔؟ اور کب قائم ہوا؟ پھر آپ اس کے پیچھے کیوں پڑے ہوتے ہیں۔ اہلِ مغرب ایک مثالی نظام (IDEAL) پیش کرتے ہیں۔ آج تک اس کا معیاری نمونہ صفحۂ ہستی پر قائم نہیں ہو سکا۔ مگر پھر بھی ایک دنیا

اس کی متوالی ہے۔ اسلام بھی ایک مثالی نظام پیش کرتا ہے، جس کا عملی نمونہ اہلِ دنیا نے بچشمِ سر دیکھ لیا ہے۔ اگر ہم اس کی طرف دعوت دیتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں کہ اس کی طرف کیوں دعوت دیتے ہو۔

خرد کو جنوں کہہ دیا، جنوں کو خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

حقیقت یہ ہے کہ جس معاشرہ میں لوگوں کو حقوق حاصل ہوں، عدل و انصاف حاصل ہو، ظلم و زیادتی نہ ہو، وہاں نہ قوم و نسل کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ اکثریت و اقلیت کا، وہاں اقلیتی گروہ کے افراد — مثلاً امام حسن بصریؒ، امام ابوحنیفہؒ، وہ اعزاز و اکرام حاصل کرتے ہیں کہ اکثریت کے بہت سے افراد کی وہاں تک رسائی نہیں۔

فکر و عمل کی جس وحدت کا اسلام داعی ہے اس کا مظاہرہ پانچ وقت کی نماز میں مسجد میں ہوتا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

اس وحدت کا بین الاقوامی عظیم الشان مظاہرہ حج کے موقع پر ہوتا ہے۔ جہاں وحدتِ لباس، احرام — اور وحدتِ لسان، لبیک، لاشریک لک لبیک سے سرشار سب ایک مرکزِ توحید کا طواف کرتے ہوتے ہیں۔ جہاں تفریق و امتیازات کے تمام عوامل زائل ہو جاتے ہیں۔ اخوت اسلامی کا فقید المثال مظاہرہ ان شاء اللہ ابد تک جاری رہے گا۔

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر ہمارا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا